امۃ الودود میری بچی

از

سیدنا حضرت میرزا بشیرالدین محمود احمد
خلیفۃ المسیح الثانی

اَعُوذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ
خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ ھُوَ النَّاصِرُ

امۃ الودود میری بچی

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَّ يَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَ الْاِكْرَامِ [1]

(تحریر فرمودہ جون ۱۹۴۰ء)

امۃ الودود حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے گوشۂ دل میں سب ہی مرتے چلے آئے ہیں، کچھ مر رہے ہیں، کچھ مر جائیں گے اور پیدا ہوں گے پھر وہ بھی مریں گے، اگلی نسلیں نئے جذبات لے کر آئیں گی، ہمارے فانی جذبات ہمارے ساتھ ختم ہو جائیں گے۔ جو موتیں آج ہمارا دل زخمی کرتی ہیں وہ ان کا ذکر ہنس ہنس کر کریں گے، جن موتوں سے وہ ڈر رہے ہوں گے ان کا خیال کر کے ہمارے دل میں کوئی حرکت پیدا نہیں ہوتی کیونکہ باوجود ہماری نسلوں میں سے ہونے کے زمانے کے بُعد کی وجہ سے ہم انہیں نہیں جانتے اور وہ ہم میں سے کئی کو نہ جانیں گے۔ مثلاً اگر خدا تعالیٰ نے میری نسل کو قائم رکھا تو چھٹی ساتویں پشت کے کتنے بچے ہوں گے جو اپنی بڑی پھوپھی امۃ الودود کے نام سے بھی واقف ہوں گے مگر باوجود اس کے کہ وہ چھٹی ساتویں نسل کے بچے میری اپنی نسل سے ہوں گے ان کے غموں اور دُکھوں کا احساس مجھے آج کس طرح ہو سکتا ہے اور ان کی خوشیوں میں مَیں کس طرح حصہ لے سکتا ہوں مگر امۃ الودود جسے ہم پیار سے دُودی کہا کرتے تھے جو کل ہم سے جُدا ہوئی گو میری بھتیجی تھی مگر ان میری آئندہ نسلوں کے غم اس کے غم کو کہاں پہنچ سکتے ہیں کیونکہ خدا تعالیٰ کا یہی قانون ہے کہ زمانہ، رشتہ اور تعلق یہ تین چیزیں مل کر دلوں میں محبت کے جذبات پیدا کیا کرتی ہیں۔ پھر اگر ان میں سے کوئی ایک چیز زور پکڑ جائے تو

وہ دوسری چیزوں کو دبا دیتی ہے اور جب تینوں جمع ہو جائیں تو جذبات بھی شدید ہو جاتے ہیں۔ دُودی میری بھتیجی تو تھی مگر زمانہ کے قُرب اور تعلق نے اسے میرے دل کے خاص گوشوں میں جگہ دے رکھی تھی۔ بعد کی نسلیں تو الگ رہیں میرے اپنے بچوں میں سے کم ہی ہیں جو مجھے اس کے برابر پیارے تھے۔

امۃ الودود کی سہیلی

یہ میری بھولی بھالی بچی مجھے بچپن سے ہی بہت پیاری تھی۔ اس کی اور ایک میری بھانجی ہے زکیہ ان دونوں کی شکلیں مجھے بہت اچھی لگتی تھیں۔ جب عید وغیرہ کے موقع پر سب بچے اماں جان کے گھر میں جمع ہوتے تھے تو میں ان دونوں کو خاص طور پر پیار کیا کرتا تھا اور یہ دونوں دوسروں پر فخر کا اظہار کیا کرتی تھیں۔ ایک کہتی ماموں جان مجھ سے زیادہ پیار کرتے ہیں اور دُوسری کہتی، چچا ابا مجھے زیادہ چاہتے ہیں۔ پھر جب یہ بچیاں بڑی ہوئیں تو امۃ الودُود کی علمی لیاقت نے میری توجہ کو اپنی طرف کھینچنا شروع کیا۔ اسی دوران میں اس کی دُوسری سہیلی ''چھوٹی آپا'' یعنی مریم صدیقہ کی میرے ساتھ شادی ہوگئی۔ یہ دونوں ایک ہی سال اور ایک ہی مہینہ میں پیدا ہوئیں تھیں، اکٹھی پڑھتی رہیں۔ ایف۔اے اکٹھا پاس کیا اور نمبر بھی ایک ہی جتنے تھے۔ پھر بی۔اے کا امتحان دیا اور دونوں فیل ہوئیں۔ پھر دوبارہ بی۔اے کا امتحان دیا اور پھر دونوں فیل ہوئیں۔ اس سال پھر دونوں نے بی۔اے کا امتحان دیا اور دونوں پاس ہوگئیں۔ اس شادی کے بعد چونکہ دونوں کا آپس میں بہت گہرا تعلق تھا، امۃ الودُود کی بھی مجھ سے بے تکلفی بڑھ گئی اور مجھے اس کے اخلاق کے دیکھنے کا زیادہ موقع ملا۔

امۃ الودود کے متعلق خواہش

اُس وقت میرے دل میں یہ خواہش زور سے پیدا ہوئی کہ امۃ الودُود کی شادی میرے بچوں میں سے کسی کے ساتھ ہو جائے مگر جوان بچوں کے ارادے پہلے سے دُوسری جگہ ہو چکے تھے اس لئے مَیں کامیاب نہ ہوسکا اور جب لڑکے راضی نہ تھے تو درخواست دینا بے معنی امر تھا۔ اس عرصہ میں اُس کے بعض رشتے آئے جنہیں پسند نہ کیا گیا۔ سب سے آخر میں جس رشتہ کو ردّ کیا گیا وہ گھر کا ہی تھا۔ کوئی پانچ ماہ کا عرصہ ہؤا اس کے ذکر کے سلسلہ میں میری ہمشیرہ نے ذکر کیا کہ دُودی کے نانا کہتے تھے کہ میں گھر کے رشتہ کو پسند کرتا ہوں۔ اگر بڑے لڑکوں کی شادیاں ہو چکی ہیں تو عمر میں چھوٹے ہی سے سہی۔ یہ فقرہ سنتے ہی میری دیرینہ خواہش پھر عَود کر آئی اور مَیں نے ہمشیرہ سے کہا کہ اگر یہ بات ہے تو پھر میری بھی خواہش ہے۔ عزیزم خلیل احمد گو چھ سال عمر میں چھوٹا ہے مگر

رشتہ داروں میں ایسے رشتے بہت ہو جاتے ہیں بلکہ اس سے زیادہ فرق پر بھی ہو جاتے ہیں۔
میری ایک بچی نے یہ سنا تو مجھ سے کہنے لگی کہ عمر کے اتنے فرق پر یہ رشتہ کس طرح ہو سکتا ہے۔مَیں نے جواب دیا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت خدیجہؓ سے شادی کی تو وہ آپ سے پندرہ سال بڑی تھیں۔ بچی ہی تو تھیں اس نے آگے سے جواب دیا کُجا خلیل اور کُجا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم۔مَیں نے بھی جواب میں کہا کہ کُجا امۃ الودود اور کُجا خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مگر یہ بات اپنے ہی گھر تک رہی۔

امۃ الودود کے اخلاق کا مطالعہ

میں نے چاہا کہ میں لڑکی کے اخلاق کا مطالعہ گہرے طور پر کروں۔ ماں کی طرف سے اس کا رشتہ کوٹلہ کے نوابوں سے پڑتا ہے ایسا نہ ہو اس میں کوئی رگ امارت کی ہو جو بعد میں باعثِ تکلیف ہو۔ چنانچہ اسی غرض سے مَیں زور دے کر اسے اور عزیزم منصور احمد سلمہ اللہ تعالیٰ کو جو اس کے بھائی اور میرے بھتیجے اور داماد ہیں اپنے ساتھ کراچی لے گیا، وہاں میں نے اسے ہر رنگ میں آزمایا، ایک دوسرے کے جوٹھے پانی پلائے، زمین پر بٹھا کر کھانا کھلایا، گھر کی صفائی کے کام میں شامل کیا، غرض کئی مواقع پر ایسے کام کرائے جو عام طور پر امیر خاندانوں میں بُرے سمجھے جاتے ہیں اور اس نے نہایت سادگی سے سب ہی کاموں کو خوشی سے کیا اور میں نے محسوس کیا کہ اس کا دل غریب ہے اور عادات فقیرانہ ہیں۔ یہ اس کا پہلا ہی سفر میرے ساتھ تھا بلکہ ساری عمر میں اسے سیر کا یہ پہلا ہی موقع ملا تھا مگر اس نے اس بے تکلفی سے وہ دن گزارے کہ وہ کبھی میرے لئے بوجھ محسوس نہ ہوئی اور میں نے دل میں فیصلہ کر لیا کہ اس کے والدین مانیں یا نہ مانیں میں عزیزم خلیل احمد سلمہ اللہ کی طرف سے ضرور درخواست دے دونگا۔ اس عرصہ میں مَیں نے خود بھی استخارہ کیا اور بعض دوسروں سے بھی کرایا۔

امۃ الودود کے متعلق خواہش کی تکمیل کیلئے کوشش

چونکہ اسے تھوڑے دنوں کی اجازت تھی وہ تو چند دن پہلے اپنے بھائی کے ساتھ کراچی سے آ گئی اور ہم چند دن بعد وہاں سے واپس آ گئے۔ واپسی پر میں نے حضرت ام المؤمنین سے اپنے ارادہ کا اظہار کیا۔ انہوں نے جو روکیں ہو سکتی ہیں ان کا ذکر کیا اور خطرہ ظاہر کیا کہ کہیں انکار کی صورت میں آپس میں بدمزگی پیدا نہ ہو۔مَیں نے انہیں تسلی دلائی کہ ایسا ہرگز نہ ہوگا اگر بچی کے ماں باپ کو رشتہ ناپسند ہؤا تو مَیں ہرگز بُرا نہ

مناؤں گا اصل غرض تو لڑکی کا آرام ہے اگر اس کی راحت کسی اور رشتہ میں ہو تو مجھے بھی وہی منظور ہو گا۔ اس پر انہوں نے اجازت دے دی مگر اس عرصہ میں بعض اور رشتے زیرِ غور تھے میں نے مناسب نہ سمجھا کہ ان کی موجودگی میں اپنے لڑکے کی طرف سے درخواست دوں مگر مَیں نے سنا کہ لڑکی نے ان رشتوں کو پسند نہ کیا اور آخر مناسب انتظار کے بعد پرسوں بدھ کی شام کو عصر کے بعد میں نے ایک لمبا خط عزیزم میاں شریف احمد صاحب کے نام لکھا کہ گو میرے لڑکے میں نقص ہیں، عمر اس کی کم ہے تعلیم اس کی کم ہے، مگر پھر بھی مَیں اس کی طرف سے درخواست پیش کرتا ہوں۔ ہاں اگر آپ کو ناپسند ہو تو مجھے کوئی گلہ نہ ہو گا کیونکہ اپنے لڑکے کے نقائص خود مجھے معلوم ہیں۔ مَیں نے چاہا کہ خط کی نقل رکھ لوں اور چونکہ معاملہ پرائیویٹ تھا میں نے تجویز کیا کہ اپنی چھوٹی بیوی مریم صدیقہ بیگم سے اس کی نقل کراؤں تاکہ کسی غیر کو اس کے مضمون پر اطلاع نہ ہو وہ اس دن اپنے ابا کے ہاں گئی ہوئی تھیں۔ شام کو واپس آئیں اور مَیں دس بجے ریڈیو سے خبریں سن کر اندر گیا اور ان کو جگا کر کہا کہ صبح ہی یہ خط نقل کر دو تا کہ میں بھجوا دوں اور ان سے کہہ کر اُمِّ وسیم کے ہاں آ یا جہاں میری باری تھی اور کھانا کھایا اور تھوڑی دیر مطالعہ کر کے لیٹ گیا۔ کوئی ساڑھے گیارہ بارہ کا وقت ہو گا کہ جب میں لیٹا تھا، کوئی دو بجے کا وقت تھا کہ میری بیوی نے مجھے جگایا اور یہ فقرہ میرے کان میں پڑا کہ

''میاں شریف احمد صاحب کی طرف سے اماں جان کے پاس آدمی آیا ہے کہ امۃ الودود کو درد کا دورہ ہؤا ہے اور وہ بے ہوش ہوگئی ہے۔ ڈاکٹر جمع ہیں اور ان کا خیال ہے کہ اس کا آخری وقت ہے منہ دیکھنا ہے تو آ کر دیکھ لیں''۔

حضرت اماں جان لاہور تھیں مَیں گھبرا کر اُٹھا اور گو بوجہ بیماری چلنا پھرنا منع تھا مگر ایسے وقت میں بیماری کا خیال کیسے رہ سکتا ہے میں اِنَّـا لِلّٰـہِ پڑھتا ہؤا اُٹھا اور چونکہ موٹر کوئی موجود نہ تھا ٹانگہ کیلئے آدمی دوڑایا۔ مریم صدیقہ کو جگایا، مریم اُمّ طاہر کو اطلاع دی، عزیزہ ناصرہ بیگم اپنی بیٹی کو جو امۃ الوُدُود کی بھاوج ہے اور دو دن کیلئے ہمارے گھر آئی ہوئی تھی جگایا اور ٹانگہ میں بیٹھ کر مَیں ناصرہ سلمہا اللہ تعالیٰ، اُمّ وسیم اور مریم صدیقہ عزیزم میاں شریف احمد صاحب کے گھر کی طرف روانہ ہوئے۔ مَیں اب تک کی رپورٹ سے یہی سمجھ رہا تھا کہ اپینڈی سائیٹس کا دورہ ہؤا ہو گا یا کبھی خیال آتا تھا کہ جوان لڑکیوں کو بعض دفعہ ایام میں ٹھنڈے پانی کے استعمال سے کچھ روک پیدا ہو کر شدید درد ہو جاتی ہے شاید ایسی ہی کوئی تکلیف ہو مَیں نے احتیاطاً اپنی ہومیو پیتھک

دواؤں کا بکس بھی ساتھ لے لیا۔

بیماری کی کیفیت

لیکن جب وہاں پہنچے تو کمرے میں امۃ الودود لیٹی ہوئی تھی اور لمبے سانس جن میں بلغم کی خرخراہٹ شامل تھی لے رہی تھی۔ وہ بالکل بے ہوش تھی اور آج اس کے ''چچا ابا'' کی آمد اس کے لئے بالکل کوئی معنی نہ رکھتی تھی۔ باہر ڈاکٹر تھے مَیں نے ان سے دریافت کیا تو معلوم ہؤا کہ درد کی رپورٹ غلط تھی۔ اس کے دماغ کی رگ سوتے سوتے پَھٹ گئی ہے اور طبّی معلومات کی رُو سے اس کے بچنے کی کوئی صورت نہیں۔ جب حالات دریافت کئے تو معلوم ہؤا کہ رات کو بارہ بجے کے قریب لیٹیں اور تھوڑی دیر بعد کراہنے کی آواز آئی اس کے ابا میاں شریف احمد صاحب نے اس کی آواز سنی اور اس کے پاس آئے اور دیکھا کہ بے ہوش ہے اور تشنّج کے دَورے پڑ رہے ہیں۔ وہ اس کی چارپائی برآمدے میں لائے اس وقت اس نے قَے کی اور قَے کے بعد اس قدر لفظ کہے کہ میرا سر پھٹا جاتا ہے، سر پکڑو اور خود ہاتھ اٹھا کر سر پکڑ لیا۔ بس یہی اس کی ہوش تھی اور یہی اس کے آخری الفاظ۔ فوراً ڈاکٹروں کو بُلوایا گیا اور انہوں نے جو کچھ وہ کر سکتے تھے کیا۔ مگر ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب نے شروع سے ہی کہہ دیا تھا کہ یہ موت کا وقت ہے اس بیماری کا کوئی علاج نہیں میرے سامنے لمبر پنکچر کیا گیا تا کہ تشخیص مکمل ہو جائے۔ چنانچہ لمبر پنکچر سے بجائے پانی کے خون نکلا جس سے یہ اَمر یقینی طور پر معلوم ہو گیا کہ سَر کی رَگ پَھٹ کر دماغ کو خون نے ڈھانک لیا ہے۔

وفات

چند منٹ کے بعد سانس رُکنے لگا اور میرے آنے کے نصف گھنٹہ بعد یہ بچی ہم سے ہمیشہ کیلئے جُدا ہو گئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔[۲]

میرا رشتہ کی تحریک کا خط لکھا ہؤا میرے سرہانے پڑا رہا اور امۃ الوُدُود اپنے رب کی طرف سدھار گئی۔ ثُمَّ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔

دُہرا صدمہ

ایسی لائق اور نیک اور شریف بچی کی جُدائی کا صدمہ اس کے ماں باپ کو تو ہونا لازمی ہے جس حد تک شریعت اجازت دیتی ہے اور جس حد تک انسانی فطرت کی بناوٹ غم کو لے جانے میں مدد دیتی ہے اس حد تک انہیں صدمہ ہؤا ہی ہوگا لیکن گو مَیں نے شادی کی درخواست دی نہ تھی اور نہ معلوم بچی کے ماں باپ مانتے یا نہ مانتے جن سے میں نے مشورہ لیا ان کا خیال تھا کہ نوے فیصدی انکار ہی سمجھنا چاہئے مگر انسان کی خواہش اسے ناممکنات بھی ممکنات کی شکل میں دکھاتی ہے۔ مَیں تو اپنے ارادہ کے ساتھ ہی مرحومہ کو اپنی بہو

سمجھنے لگ گیا تھا اور خیال کرتا تھا کہ امۃ الحیؒ کی نسل کو اب اللہ تعالیٰ چاہے تو امۃ الودُوْد چلائے گی اس لئے جہاں اس بچی کے ماں باپ اپنے دل کو یہ کہہ کر صبر دلاتے ہوں گے کہ ایک دن تو اس لڑکی نے ہمارے گھر سے جانا ہی تھا وہاں میرے دل کی تکلیف اور ہی رنگ رکھتی ہے۔ بہوئیں اگر نیک ہوں بیٹیوں سے کم پیاری نہیں ہوتیں اور اگر وہ اپنی ہی عزیز ہوں اور طبیعت کی نیک تو چونکہ انسان کو بڑھاپے میں لڑکیوں سے زیادہ بہوؤں سے واسطہ پڑتا ہے اور وہی اس کی راحت کا موجب ہوتی ہیں ان کا وجود اور بھی زیادہ قیمتی ہو جاتا ہے۔

میں کئی دفعہ سوچا کرتا ہوں کہ انسان جب بوڑھا ہو جاتا ہے تو اس کی لڑکیاں دوسروں کے لڑکوں کے گھروں میں چلی جاتی ہیں اور اس کے لڑکے دوسروں کی لڑکیوں کو لے کر الگ ہو جاتے ہیں اور وہ اُس وقت جب کہ وہ سب سے زیادہ خدمت اور دلجمعی کا محتاج ہوتا ہے اکیلا رہ جاتا ہے۔ پھر جب کہ لڑکے اپنی شادیوں میں آزاد ہیں ضروری نہیں کہ ان کی بیویاں اُن کے ماں باپ کے لئے راحت کا موجب ہوں۔ خلیل چونکہ بے ماں کا بچہ ہے میری خواہش تھی کہ اس کے لئے میں ایسی بیوی تلاش کروں جسے بالکل الگ رہنے کی خواہش نہ ہو اور ہو بھی میری عزیز تاکہ اس کی خوشی کا خیال رکھنے پر مَیں اور دوسرے اہلِ خانہ دونوں طرح مجبور ہوں اس کے بہو ہونے کے لحاظ سے بھی اور اس کے رشتہ دار ہونے کے لحاظ سے بھی۔

یہ بات تو اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ مرحومہ کا رشتہ ہوتا یا نہ ہوتا یا اس کا عمل کیسا ہوتا لیکن میں نے اس کی طبیعت کا مطالعہ کر کے یہ محسوس کر لیا تھا کہ اگر وہ ہمارے گھر میں آئی تو اپنی طبیعت کے لحاظ سے ایسے اُمور میں وہی راہ اختیار کرے گی جو میری خوشی کا موجب ہو۔

تکبر نہیں حیاء وانکسار

تعجب ہے اس بچی کو ہمارے گھر کی سب لڑکیاں متکبر کہا کرتی تھیں اور غالباً اسی اثر کے ماتحت اس کا رشتہ میرے بڑے لڑکوں میں سے کسی سے نہ ہو سکا مگر جب مَیں نے اس کے اخلاق کا گہرا مطالعہ کیا تو مَیں نے دیکھا کہ اس کا تکبر اس کی حیاء تھی، ورنہ مَیں یقیناً کہہ سکتا ہوں کہ اس کی طبیعت کا انکسار ہمارے خاندان کی اکثر لڑکیوں سے بڑھا ہؤا تھا اور مَیں نے اس کا دل کینہ اور بغض سے بالکل صاف پایا۔ لڑکیوں میں آپس میں رقابت ہوتی ہے میری بچیوں میں بھی ہے لیکن اس کا میں نے جہاں تک مطالعہ کیا اس میں رقابت نام کو نہ تھی اور اسے سب ہی بہنوں سے محبت تھی۔

اس بارہ میں مجھے اس کا ایک خاص تجربہ ہؤا۔ اسے اپنی ایک بہن سے تکلیف پہنچی تھی۔ مَیں

نے ایک دفعہ اس امر کا ذکر اس سے کیا۔ مجھے معلوم ہؤا کہ اُسے پہلے سے اس واقعہ کا علم تھا مگر میری حیرت کی کوئی حد نہ رہی جب مَیں نے دیکھا کہ اس کے دل میں اس بہن کی نسبت کوئی کدورت نہ تھی۔ خدا تعالیٰ اس کی رُوح پر رحم کرے۔

پیدائشی صحت کی کمزوری امۃ الودود کی پیدائش انفلوئنزا کے دنوں میں ہوئی۔ ہمارے خاندان کی تین لڑکیاں انفلوئنزا کی یادگار ہیں امۃ الوُدود مرحومہ، مریم صدیقہ بیگم اور امۃ الرشید میری لڑکی۔ تینوں ہی کی پیدائش کچھ کچھ دن وقت سے پہلے ہوئی۔ امۃ الوُدود مرحومہ کی بہت پہلے اس نے صرف آٹھ ماہ اپنی والدہ کے پیٹ میں گزارے۔ کچھ اس وجہ سے اور کچھ اس وجہ سے کہ بوجہ انفلوئنزا کی وباء کے دیر تک گھر کے لوگ بیمار رہے اس کی صحت بہت خراب رہا کرتی تھی اور کئی سال کی عمر تک تشنّج کے دَورے ہوتے رہتے تھے۔ ذرا سی بات پر رونے لگتی اور رو رو کر دورہ ہو جاتا اور اکثر دفعہ موت کے قریب پہنچ جاتی۔ ڈاکٹر محمد اسماعیل خان صاحب مرحوم گوڑگانوی معالج ہؤا کرتے تھے۔ وہ اس کے اس طرح موت کے قریب پہنچ کر اچھا ہو جانے کی وجہ سے اسے ''مرمرجیونی'' کے نام سے پکارا کرتے تھے۔

امۃ الودود نام کس طرح قرار پایا مَیں نے اس کا نام امۃ الودود رکھا تھا اس کی اماں کو کوئی اور چھوٹا سا نام پسند تھا۔ انہی دنوں کا لطیفہ ہے کہ وہ اسے اپنے پسندیدہ نام سے بلایا کرتی تھیں کہ اسے دَورہ ہؤا اور موت کے قریب پہنچ گئی۔ اس پر انہوں نے کہا چلو امۃ الودود ہی نام سہی یہ کسی طرح بچ جائے۔ وہ اچھی ہوگئی تو کچھ دنوں کے بعد انہیں اپنی بات بھول گئی اور پھر انہوں نے وہی اپنے والا نام پکارنا شروع کیا۔ پھر اتفاق سے دَورہ ہؤا اور پھر امۃ الودود ہی نام قرار پایا۔ مجھے بعضوں نے کہا کہ جب ماں کی خواہش ہے تو تم نام بدل ڈالو۔ مَیں نے کہا مَیں نام تو بدل دیتا مگر بچی کے نام میں اللہ کا نام آتا ہے مَیں یہ نام نہیں بدل سکتا۔ آخر کئی دفعہ اسی طرح ہؤا اور امۃ الودود نام کی فتح ہوئی اور بچی کے دَورے بھی جاتے رہے۔

میرے اپنے گھر کا بھی ایک ایسا ہی واقعہ ہے۔ میرے ہاں ایک لڑکی ہوئی اور مَیں نے اس کا نام امۃ العزیز رکھا وہ بیمار ہوئی اور مرگئی، پھر ایک اور لڑکی ہوئی اور مَیں نے اس کا نام امۃ العزیز رکھا۔ میری بیوی نے کہا کہ پہلی کا نام امۃ العزیز تھا اس کا کچھ اور رکھو۔ مَیں نے کہا نہیں میں یہی نام رکھوں گا تا کہ عورتوں میں یہ وسوسہ پیدا نہ ہو کہ اس لئے اب یہ نام نہیں رکھا کہ

اس نام کی بچی مَر گئی تھی ۔ خدا کا کرنا یوں ہؤا کہ وہ بھی مَر گئی اس کے بعد منور احمد پیدا ہؤا اور پھر لڑکی پیدا ہوئی اور میں نے اس کا نام پھر امۃ العزیز رکھا۔ اس کی والدہ نے بڑا ہی زور لگایا کہ یہ نام نہ رکھو لیکن میں نے نہ مانا اور کہا کہ اگر لڑکی کے بعد لڑکی مرتی جائے گی تب بھی میں امۃ العزیز ہی نام رکھتا جاؤں گا تا کہ خدا تعالیٰ کے نام پر کوئی حرف گیری نہ کر سکے ۔ آخر وہ لڑکی زندہ رہی اور خدا تعالیٰ کے فضل سے اب اس کا نکاح عزیزم مرزا حمید احمد سلمہ اللہ تعالیٰ سے ہؤا ہے ۔

بچپن کے بعد صحت اچھی ہوگئی

غرض اس بچی کی صحت بچپن میں بہت خراب رہتی تھی اور تشنّج کے دَورے ہوتے تھے ۔ پھر صحت اچھی ہوگئی اور ابھی دو ماہ کی بات ہے میری چھوٹی بیوی اس کی ''چھوٹی آپا'' بیمار تھیں ۔ وہ خبر پوچھنے آئی ۔ اس سے پہلے دن عزیزم ناصر احمد سلمہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بچہ پیدا ہؤا تھا وہیں صدیقہ بیگم کو بخار ہؤا اور ایک سو پانچ تک ہوگیا۔ امۃ الودود کہنے لگی کہ مَیں نے سمجھا تھا غلطی لگی ہے ایک سو پانچ درجہ کے بخار میں یہ وہاں چلتی پھرتی کس طرح تھیں ۔ مَیں نے کہا دُودی تم کو کیوں تعجب ہؤا تمہارے گھر میں تو بخار کا اوسط درجہ ایک سو سات اور ایک سو نو کے درمیان ہوتا ہے ۔ (مرحومہ کے بھائیوں کو بخار ایک سو سات یا اس سے زیادہ بھی ہو جاتا ہے) اس پر اس نے کہا کہ مجھے کیا معلوم مجھے تو نہ کبھی سر درد ہوتا ہے اور نہ بخار ۔ مجھے یہ سنتے ہی خیال آیا کہ بعض اطبّاء نے لکھا ہے کہ ایسی صحت بھی اچھی نہیں ہوتی اور ایسے لوگوں کو بعض دفعہ یکدم بیماری کا حملہ ہوتا ہے اور اس کے سامنے بھی مَیں نے اس خیال کا اظہار کیا۔ کسے معلوم تھا کہ اطبّاء کا یہ خیال درست ہو یا غلط مگر اس بچی کے حق میں دو ماہ کے اندر پورا ہو جائے گا۔

تعلیم کا شوق

صحت کی درستی کے بعد سے اسے تعلیم کا شوق پیدا ہؤا اور وہ برابر تعلیم میں بڑھتی گئی ۔ انٹرنس تک تو مجھے خیال رہا کہ یوں ہی مدرسہ میں جاتی ہے لیکن جب وہ انٹرنس میں اچھے نمبروں پر پاس ہوئی تو مجھے زیادہ توجہ ہوئی اور جب وہ ملتی میں اس سے اس کی تعلیم کے متعلق بات کرتا۔ پھر ایف ۔ اے میں وہ پاس ہوئی اور مَیں نے زور دیا کہ صدیقہ بیگم اور امۃ الودود بی ۔ اے کا امتحان دیں اور دونوں نے تیاری شروع کر دی ۔ مگر پہلی دفعہ کامیاب نہ ہوئیں ، پھر دوسری دفعہ پڑھائی کی ، پھر بھی کامیاب نہ ہوئیں ، مَیں نے اصرار کیا کہ امتحان دیتے جاؤ چنانچہ اس دفعہ پھر تیاری کی ۔ جب امتحان کے دن قریب آئے عزیزہ کے منجھلے بھائی عزیزم مرزا ظفر احمد بیرسٹرایٹ لاء اپنی شادی کے لئے قادیان آئے ۔ امتحان کے دنوں میں

شادی کی تاریخ تھی انہوں نے کہا کہ امتحان نہ دو تم نے پاس تو ہونا نہیں گھر کے اور آدمیوں نے بھی کہا اور اس نے امتحان دینے کا ارادہ ترک کر دیا۔ مجھے معلوم ہؤا تو مَیں نے عزیزم میاں شریف احمد صاحب کو کہا کہ یہ ٹھیک نہیں مجھے اس دفعہ ان کے پاس ہونے کی امید ہے۔ اگر صدیقہ پاس ہو گئیں تو امۃ الودود کے لئے اکیلا امتحان دینا مشکل ہوگا۔ چنانچہ انہوں نے جا کر اسے امتحان کیلئے پھر تیار کر دیا۔ امتحان کے بعد کراچی سے واپس آ کر ایک دن صدیقہ بیگم کو رقعہ لکھا کہ چچا ابا سے کہہ دیں کہ اگر آپ دعا کریں تو مَیں پاس کیوں نہ ہو جاؤں۔ اب کے انہوں نے خود امتحان دلایا ہے اگر میں پاس نہ ہوئی تو مَیں نہیں مانوں گی کہ انہوں نے دعا کی ہے۔ مَیں نے کہلا بھیجا کہ مَیں دُعا کر رہا ہوں اور اب کے مجھے یقین ہے کہ تم دونوں پاس ہو جاؤ گی اور خدا تعالیٰ نے دونوں کو پاس کر ہی دیا۔ پاس ہونے کے بعد دونوں سہیلیوں نے مبارک باد کا تبادلہ کیا۔ ہفتہ کی شام کو امۃ الودودؐ صدیقہ کو مبارکباد دینے آئی اور اتوار کی صبح کو صدیقہ اُسے مبارکباد دینے گئیں میں اس دن بہت بیمار تھا وہ میرے پاس بیٹھ گئی۔ صدیقہ بیگم صاحبہ تھیں، بعد میں اس کی چھوٹی بہن اور میری بڑی لڑکی اس کی بھاوج بھی آ گئیں میں نے کہا دُودی! تم پاس نہیں ہوئیں مَیں پاس ہؤا ہوں کیونکہ تم تو امتحان کا ارادہ چھوڑ بیٹھی تھیں۔

مرحومہ کی ایک خاص خوبی

پھر مَیں نے کہا کہ پڑھائی کے دن تو اب ختم ہوئے اب کام کا وقت آ گیا۔ اب مَیں تم کو اور صدیقہ کو مضامین کے نوٹ لکھوایا کروں گا اور تم انگریزی میں مضمون تیار کر کے ریویو وغیرہ میں دیا کرو۔ کہنے لگی کہ مَیں نے تو کبھی مضمون لکھا نہیں چھوٹی آپا کو لکھوایا کریں۔ مَیں نے کہا تم دونوں ہی نے پہلے مضمون نہیں لکھے اب تم کو کام کرنا چاہئے۔ کہنے لگی اچھا۔ یہ واقعہ مَیں نے اس لئے بیان کیا ہے کہ مرحومہ میں یہ خوبی تھی کہ باوجود شرمیلی طبیعت کے جب کوئی مفید کام اسے کہا جاتا وہ اس پر کاربند ہونے کیلئے تیار ہو جاتی۔ مَیں سمجھتا ہوں کہ اگر میں اپنی لڑکیوں سے کہتا تو ان میں سے اکثر شرم کی وجہ سے انکار پر اصرار کرتیں مگر اسے جب میں نے دُہرا کر کہا کہ اب تم کو اپنے علم سے دنیا کو فائدہ پہنچانا چاہئے تو باوجود ناتجربہ کاری اور حیاء کے اس نے میری بات کو منظور کر لیا۔

آخری بار کی ملاقات

تھوڑی دیر کے بعد ناصرہ بیگم سلمہا اللہ تعالیٰ نے کہا کہ چھوٹی بچی دودھ کیلئے رو رہی ہوگی۔ مَیں نے جانا ہے اور ساتھ ہی امۃ الودود بھی اُٹھی۔ میری عادت رہی ہے کہ امۃ القیوم اور امۃ الودود جب پاس سے اٹھا کرتیں تو مَیں کہا

کرتا تھا کہ میری بچی اللہ تمہارا حافظ ہو اور پھر پیار کر کے رخصت کیا کرتا تھا۔ اس دن مَیں نے یہ الفاظ تو کہے مگر اُٹھ کر اُسے پیار دے کر رخصت نہیں کیا۔ مَیں نے اس کے چہرہ پر کچھ ملال کے آثار دیکھے اور کہا مَیں آج بیمار ہوں اُٹھ نہیں سکتا چوتھے دن اسی بیماری کی حالت میں مجھے اس کی بیماری کی وجہ سے جانا پڑا اور مَیں نے جاتے ہی اس کے ماتھے کو چوما مگر اب وہ بے ہوش تھی اب اس کے چچا ابا کا پیار اس کے لئے خوشی کا موجب نہیں ہو سکتا تھا اور اسی بے ہوشی کی حالت میں وہ فوت ہو گئی۔ ہاں وہ بچی جس نے اپنی ساری عمر علم سیکھنے میں خرچ کر دی اور باوجود شرمیلی طبیعت کے میرے کہنے پر اس پر آمادہ ہو گئی کہ اپنی جنس کی بہتری کیلئے وہ مضمون لکھا کرے گی۔ جہاں تک اس دنیا کا تعلق ہے ہمیشہ کیلئے خاموش ہو گئی کیونکہ خدا تعالیٰ کا منشاء کچھ اور تھا۔ وہ اسے وہاں لے گیا جہاں باتیں نہیں کی جاتیں، جہاں کام کیا جاتا ہے، جہاں کوئی کسی انسان کی نصیحت کا محتاج نہیں، جہاں صرف اللہ ہی ہر اک کا ہادی ہوتا ہے۔

امۃ الودود کو الوداع

امۃ الودود جب تم اس دنیا میں تھیں میں تمہاری عارضی رخصت پر نہایت محبت سے کہا کرتا تھا۔ جاؤ میری بچی تمہارا اللہ حافظ ہو۔ اب تو تم دیر کیلئے ہم سے جُدا ہو رہی ہو اب تو اس سے بھی زیادہ درد کے ساتھ میرے دل سے یہ نکل رہا ہے کہ جاؤ میری بچی تمہارا اللہ حافظ ہو۔ نادان کہیں گے دیکھو یہ ایک مُردہ سے باتیں کرتا ہے۔ مگر مردہ تم نہیں وہ ہے۔ نمازیں پڑھنے والے، اپنے رب سے رو رو کر دعائیں کرنے والے بھی کبھی مرا کرتے ہیں اور تم تو بڑی دعائیں کرنی والی اور دعاؤں پر یقین رکھنے والی بچی تھیں۔ اپنی موت سے دو تین گھنٹے پہلے جو بات تو نے اپنی چچیری بہن سے کہی وہ اس پر شاہد ہے۔ اس نے مجھے کہا کہ میں شام کو امۃ الودود کو ملنے آئی تو اس نے مجھے باتوں باتوں میں کہا کہ میرے دل پر جنگ کا بہت اثر ہے اور میں اس کے متعلق بہت دعائیں کرتی ہوں۔ امۃ الحمید (بہن کا نام) تم بھی آج کل دعائیں کیا کرو۔ تو اے بچی! تو جو دنیا کی تکلیف کے احساس سے اپنے رب کے آگے رویا کرتی تھی تجھے اللہ تعالیٰ کب موت دے سکتا ہے یقیناً اللہ تعالیٰ ہماری آوازیں تیرے تک پہنچاتا رہے گا اور تیری آواز ہمارے تک پہنچاتا رہے گا۔ ہماری جُدائی عارضی ہے اور تیری نئی جگہ یقیناً پہلی سے اچھی ہے دنیوی خیالات کے ماتحت تیری اس بے وقت موت کو دیکھ کر کوئی کہہ سکتا تھا کہ:۔

پھول تو دو دن بہارِ جاں فزا دکھلا گئے
حسرت ان غنچوں پہ ہے جو بن کھلے مُرجھا گئے

اور میرے دل میں بھی ایک دفعہ یہ شعر آیا مگر جب مَیں نے غور کیا تو یہ شعر تیرے حالات کے بالکل خلاف تھا۔ تُو تو اس باغ میں گئی ہے جس پر کبھی خزاں ہی نہیں آتی۔ حیّ وقیّوم خدا کی جناتِ عدن میں مُرجھانے کا کیا ذکر۔ اے ہمارے باغ کے غنچے! تو کل سے اللہ تعالیٰ کے باغ کا پھول بن چکا ہے ہمارے دل مرجھا بھی سکتے ہیں، غمگین بھی ہو سکتے ہیں مگر تیرے لئے اب کوئی مُرجھانا نہیں اب تیرا کام یہی ہے کہ ہر روز پہلے سے زیادہ سرسبز ہو پہلے سے زیادہ پُر رونق ہو۔

آخری دُعا جب تیری جان نکلی تو میں ایک کونے میں جا کر سجدہ میں گر گیا تھا اور بعد میں بھی وقتاً فوقتاً دُعا کرتا رہا یہاں تک کہ تجھے دفن کر کے واپس آئے اور وہ دُعا یہ تھی۔ کہ اے اللہ تعالیٰ! یہ نا تجربہ کار روح تیرے حضور میں آئی ہے تیرے فرشتے اس کے استقبال کو آئیں کہ اسے تنہائی محسوس نہ ہو۔ اس کے دادا کی روح اسے اپنی گود میں اٹھا لے کہ یہ اپنے آپ کو اجنبیوں میں محسوس نہ کرے۔ محمدؐ رسول اللہ ﷺ کا ہاتھ اس کے سر پر ہو کہ وہ بھی اس کے روحانی دادا ہیں اور تیری آنکھوں کے سامنے تیری جنت میں یہ بڑھے۔ یہاں تک کہ تیری بخشش کی چادر اوڑھے ہوئے ہم بھی وہاں آئیں اور اس کے خوش چہرہ کو دیکھ کر مسرور ہوں۔ اسی دعا کے ساتھ میں اب بھی تجھے رخصت کرتا ہوں۔ جا میری بچی تیرا اللہ حافظ ہو۔ اللہ حافظ ہو!

مرزا محمود احمد

(الفضل ۲۳ ؍جون ۱۹۴۰ء)

۱؎ الرّحمٰن: ۲۷، ۲۸ ۲؎ البقرة: ۱۵۷